امریکہ میں اسلام: ایک تجزیاتی فروغ

یون حداد*

مدیران "یو- ایس سوسائٹی اینڈ ویلیوز" نے ایمرسٹ کی یونیورسٹی آف ماسچسٹس میں اسلامی تاریخ کے پروفیسر یون حداد سے درج بالا موضوع پر انٹرویو کیا' جو اس کے شمارہ مارچ ۱۹۹۷ میں شائع ہوا۔ ذیل میں پروفیسر موصوف کے خیالات کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

امریکہ میں اسلام کے فروغ کے مظاہر میں نمایاں چیز مساجد کی تعداد میں اضافہ ہے۔ گذشتہ نصف صدی سے بھی کم عرصہ میں مساجد اور اسلامی مراکز کی تعداد ۱۵۰ سے ۱۲۵۰ ہوگئی ہے۔ یہ تعداد گذشتہ دس سال میں بہت زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھی ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ان کی تعداد موجودہ تعداد سے نصف تھی۔ اسلامی کمیونٹی کے اس وقت امریکہ میں ایک سو سے زائد عام اسکول اور ایک ہزار سے زائد وہ سکول ہیں جو ہفتہ میں ایک دن (چھٹی کے دن) کھلتے ہیں۔ مسلمانوں کے کوئی ۱۲۰۰ ادارے ان کے علاوہ ہیں جن میں اشاعتی ادارے' ریڈیو اسٹیشن اور دیگر تنظیمیں شامل ہیں۔

امریکہ میں مسلمانوں کی آمد کی تاریخ کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں۔ بعض اسکالرز یہ امکان ظاہر کرتے ہیں کہ پلائی ماؤتھ شجرکاری اور ورجینیا کی آبادکاری کے ساتھ ہی مسلمان بھی یہاں آئے۔ ہمارے پاس تاریخی ثبوت موجود ہے کہ اسپین سے نکالے گئے کچھ مور (Moors) نے کیریبین کے جزائر میں پناہ لی اور وہاں سے امریکہ کے جنوبی حصہ میں آگئے۔ میلنجین (Melungeons) کے بارے میں ایک کتاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۶۰۰ء سے بھی پہلے شمالی امریکہ میں آگئے تھے۔ چنانچہ کچھ مسلمان اس تاریخ کو دیکھتے ہوئے اپنے تئیں انہیں امریکہ کے بانیوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ کسی حد تک اپیننی نقطہ نظر ہے --- ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ افریقی امریکیوں (یعنی کالے امریکیوں) کی ایک بڑی تعداد مسلمان تھی جو غلام کی حیثیت سے امریکہ لائے گئے تھے اور انہوں نے عیسائیت اختیار کرلی تھی۔ کچھ اسلام پر عامل رہے حتیٰ کہ اس صدی کے آغاز تک ان کی نسل مسلمان ہی رہی۔ یہ جارجیا کے بیرونی ساحلوں اور اس کے قرب وجوار میں آباد ہیں۔ گویا تاریخ کو دیکھنے کے کئی زاویے ہیں۔

(تلخیص : متقین الرحمٰن)

*Yuonne Haddad, US Society and Volues, March 1997.

عمومی طور پر بات کی جائے تو مسلمانوں کی یہاں تیزی سے آمد کا سلسلہ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ کے عشروں میں ہوا جب لبنان اور شام کے مسلمان امریکہ آئے۔ اسلام کے بارے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ عملی اور پکدار مذہب ہے۔ ہر جگہ عبادت کی جگہ ہو سکتی ہے۔ یہ مسلمان ایک کمیونٹی کی حیثیت میں رہتے رہے۔ باہر سے آنے والے ان مسلمانوں میں اداراتی نظم و ضبط نمایاں نظر آتا ہے۔ جنگ عظیم دوم تک ان کی مساجد کی تعداد ۵۲ تک پہنچ گئی تھی۔

ان مسلمان نو آبادکاروں میں سے اکثر سلسلہ بہ سلسلہ ہجرت کرنے والے تھے۔ وہ لبنان کے ایک ہی گاؤں سے آئے تھے۔ کچھ لوگ شمالی ڈکوٹا میں آباد ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں ان میں سے کچھ یورپ کی طرف چلے گئے اور وہیں مرکھپ گئے اور کچھ واپس آئے لیکن دوبارہ شمالی ڈکوٹا اپنے گھروں کی طرف نہیں گئے بلکہ مشی گن میں ڈیٹرائٹ کے علاقے میں موٹر سازی کے کارخانوں میں چلے گئے یا پھر کچھ نے اوہائیو میں تجارت شروع کردی۔

ڈیٹرائٹ میں مسلمانوں کی آباد کاری کی بڑی وجہ فورڈ روج فیکٹری ہے' اس نے مسلمانوں اور جنوب کے افریقی مسلمانوں کو ملازمتیں دیں۔ مشرق وسطیٰ سے آنے والے لوگوں کو انگریزی نہیں آتی تھی۔ یہ کمپنی ۵ ڈالر روزانہ پر ہر اس مزدور کو رکھ لیتی تھی جو شدید گرمی اور سخت حالات کار میں کام کے لیے آمادہ ہو۔ ان کے لیے یہ اچھی اجرت تھی۔

حالیہ برسوں میں امریکہ میں مسلمان نو آبادکاروں کی تعداد میں نمایاں اضافے کی سب سے اہم وجہ ۱۹۶۵ء میں غیر ملکی افراد سے متعلق قوانین میں تبدیلی ہے۔ جس کے تحت نو آبادکاروں کے رشتہ داروں کو ویزے دینے کے بجائے ہر اس شخص کو ویزا دینے کی پالیسی اختیار کی گئی جو اپنی صلاحیتوں سے امریکی سوسائٹی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔ اس کے بعد ڈاکٹرز اور انجینئرز کی بڑے پیمانے پر آمد شروع ہوئی جو پاکستان' بنگلہ دیش اور عرب ممالک سے آئے۔ اس طرح اسلام ایک ٹھوس ذریعے سے امریکہ کے ایک مذہب کے طور پر مستحکم ہوا۔ انہوں نے جلد ہی اپنی مساجد قائم کرلیں کیونکہ وہ فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشن کی قائم کردہ مساجد سے ہم آہنگی پیدا نہ کرسکے۔ وہ ان مساجد کو بہت زیادہ امریکہ زدہ اور عیسائیت زدہ سمجھتے تھے۔ پرانی طرز کی مساجد اور جدید طرز کی مساجد میں نمایاں فرق ہے۔

دراصل پہلے آنے والے نو آبادکار زیادہ تر ان پڑھ اور نوعمر غیر شادی شدہ تھے' بلکہ یہ چائلڈ لیبر تھے۔ ۹ سے ۱۱ برس کے بچے بڑی تعداد میں تھے جو کان کنی اور سڑک پر یا باغات میں محنت مزدوری کے لیے آتے تھے۔ یہ انگریزی زبان سے نابلد تھے' آہستہ آہستہ یہ یہیں آباد ہو

گئے مقامی لوگوں میں شادیاں کر لیں۔ انہوں نے ایک محدود طرز پر اپنے مذہب کو برقرار رکھا لیکن خوردونوش، میوزک اور شادی بیاہ کے رسوم و رواج وغیرہ میں مقامی کلچر اپنا لیا --- ان کی مساجد دراصل سوشل کلب تھے۔ عبادت ان کا مرکزی کردار نہ تھا۔ جہاں تک امریکہ کے کالے مسلمانوں کا تعلق ہے، یہ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۷۵ء تک متوازی طور پر ان بیرونی نو آباد کار مسلمانوں سے الگ فروغ پزیر رہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جنوب میں کپاس کے کھیتوں میں کام کرنے والے ان افریقی امریکیوں نے نسلی امتیاز کے خلاف رد عمل کے طور پر جنوب سے شمال کے صنعتی شہروں کی طرف نقل مکانی، کی اس امید پر کہ شمال زیادہ کھلے ذہن کا ہوگا لیکن ایسا نہ تھا --- اس طرح بتدریج اسلام ان کے تشخص کا حوالہ بنتا گیا جو ان کی افریقی شناخت سے بھی مطابقت رکھتا تھا۔ کیونکہ افریقہ کی کم از کم تین ریاستیں یعنی مالے، سنگھائی اور گھانا ایسی تھیں جن کا افریقی تہذیب کی صورت گری میں نمایاں حصہ تھا ----- ان امریکی کالے مسلمانوں نے غلامی کی شناخت رکھنے والے اپنے نام بھی تبدیل کرنے شروع کر دیے۔

باہر سے آ کر آباد ہونے والے مسلمانوں کو ایک فکر یہ بھی ہے کہ ان کی اولاد مسلم تہذیب سے وابستہ رہے۔ مسلم اسکولوں میں مذہبی تعلیم دینے والے غیر ملکی اساتذہ امریکی بچوں کے لیے زیادہ موثر ثابت نہیں ہوتے۔ اسی سال مذہبی رہنما تیار کرنے کے لیے ایک معیاری تربیتی ادارہ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی جانب سے قائم کیا گیا ہے۔ جو "امامت اسٹڈیز" اور "اسلامک اسٹڈیز" میں ایم اے کی تعلیم کے لیے ہے۔ یہ ایسے افراد تیار کرے گا جو امریکی معاشرے میں مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

امریکہ میں پید ہونے والے مسلمانوں کے بچے دو تہذیبوں میں پرورش پا رہے ہیں۔ یہ ایک مشکل اور دلچسپ صورت حال ہے۔ عمومی طور پر امریکی مسلمان ایک مخمصہ کا شکار ہیں۔ ایک طرف تو وہ مسلم تشخص سے گہری وابستگی کا احساس رکھتے ہیں دوسری طرف امریکہ میں "اسلام فوبیا" کی بڑھتی ہوئی لہر کی وجہ سے وہ مشکوک نظروں سے دیکھے جاتے ہیں جو ان کے لیے باعث تکلیف ہے۔ ہم نے ۱۹۸۰ کے عشرہ میں ایک سروے کیا تھا جس میں لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ مسلمانوں کے خلاف تعصب برتتا ہے۔ سروے میں شامل ۳۶۵ افراد میں سے سوفی صد نے کہا کہ ہاں۔ لیکن جب ہم نے پوچھا کہ کیا خود انہیں ذاتی طور پر اس تعصب کا عملی تجربہ ہوا تو سو فی صد نے کہا کہ نہیں۔ گویا یہ چیز فضا میں پائی جاتی ہے۔ اخبارات نے مسلمانوں

کے بارے میں بداعتمادی کی یہ فضا پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

ایک پہلو سے مسلمان اطمینان محسوس کرتے ہیں کہ وہ چرچوں اور یہودی عبادت خانوں کی تقریبات میں مدعو کیے جاتے ہیں۔ وہ بین المذاہب مکالماتی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم انہیں نکال باہر کرنے والے نہیں ہیں --- ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ایک صبح جب وہ اخبار میں دہشت گردی کی کوئی رپورٹ پڑھتے ہیں تو وہ خوف محسوس کرتے ہیں۔ انہیں خوف یہ ہے کہ کسی لمحہ کسی مسجد کو بم سے اڑانے کے لیے کوئی مہم جوئی شروع ہو جائے گی۔ ایسا ہو بھی چکا ہے۔ ۱۹۸۹ء کے بعد سے اب تک اچانک آگ لگانے یا بم مارنے کے تین یا چار واقعات ہوئے ہیں۔ جن میں کوئی فرد تو ہلاک نہیں ہوا لیکن مسجد یا دینی ادارے کو شدید نقصان پہنچا۔ عموماً" یہ واقعات سمندر پار کسی بڑے تخریب کاری کے واقعہ کے بعد یا اس کے تعلق سے ہوئے۔ اگرچہ نیشنل کونسل آف چرچز نے عیسائی مسلم تعلقات کو خوشگوار رکھنے کے لیے اقدامات بھی کیے ہیں۔

اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مسلمانوں کی مشکلات کسی حد تک یقیناً" ہیں۔ مثلاً" رمضان کے روزے رکھنا کسی مسلمان ملک کے مقابلے میں یہاں مشکل ہے کیونکہ وہاں دفتری اوقات کار کم ہوتے ہیں' اسی طرح ظہر کی نماز تو وہ دوپہر کے وقفے میں ادا کر سکتے ہیں لیکن نماز عصر کو بعض صورتوں میں ملتوی کرنا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی مشکل وضو کی ادائیگی ہے' وضو کے لیے پاک جگہ کا ہونا ضروری ہے پبلک باتھ روم میں جاکر وضو کرنا مشکل ہے کہ پرائیویٹ جگہ کی قلت ہے۔

امریکہ میں مذہبی رسوم کے لیے دفتر سے چھٹی اور دیگر امور کے لیے قوانین ہیں لیکن یہ قوانین مسلمانوں کے لیے ابھی اتنے مفید نہیں ہیں۔ عدالتی چارہ جوئی کے نتیجہ میں کالے مسلمانوں نے جیل کے نظام میں بہت سی مراعات حاصل کر لی ہیں' مثلاً" حلال گوشت اور رمضان میں کھانے کے خصوصی اوقات ۔ جیل وہ واحد جگہ ہے جہاں مسلمانوں کو مراعات دینے کے لیے قواعد میں لچک کا تجربہ کیا گیا ہے۔

امریکہ میں اسلام کا فروغ بتدریج ہوا ہے۔ اگر اس طرح سوچا جائے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے میں جتنی آسانیاں آج ہیں وہ پچاس سال قبل نہیں تھیں' تو یہ بالکل درست ہے۔ امریکہ کی تمام ریاستوں میں مساجد قائم ہیں اور وہاں مسلم کمیونٹی مل جاتی ہے جہاں آپ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ پہلے کوئی مسلمان انتقال کر جاتا تو اسے عیسائی قبرستان ہی میں دفنایا جاتا تھا

لیکن اب عموماً قبرستان میں مسلمانوں کا ایک الگ حصہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو میت کو غسل دینے اور اسلامی طریقے سے تدفین کے لیے نیز نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے سہولتیں حاصل ہیں --- مسلمان پہلے سے بہت بہتر حالت میں ہیں۔ اب وہ زیادہ منظم ہیں اور انہوں نے امریکی قوانین کے اندر رہتے ہوئے اپنے حقوق کے حصول کے لیے آواز اٹھانا شروع کردی ہے۔

سیاسی معاملات میں بھی مسلمانوں کے بعض گروپ سامنے آئے ہیں جیسے "یونائیٹڈ مسلمز آف امریکہ" یا "مسلم الائنس" یہ اپنے آپ کو پولٹیکل ایکشن گروپ کے ذیل میں شمار کرتے ہیں' تاہم کئی وجوہات کی بنا پر وہ ابھی زیادہ کامیاب نہیں ہیں۔

البتہ مسلمانوں کو امریکہ کے ایک عنصر کی حیثیت سے تسلیم کیا جارہا ہے۔ صدر کلنٹن نے رمضان کے موقع پر تہنیتی پیغام دینے کا کئی مرتبہ اہتمام کیا۔ مسز کلنٹن نے مسلم رہنماؤں کو وائٹ ہاؤس میں افطار ڈنر کی دعوت دی۔

گذشتہ انتخابات میں مسلمانوں کی پانچ سیاسی ایکشن کمیٹیوں کو اکٹھا کرنے کی ایک کوشش ہوئی تاکہ مسلمانوں کا ووٹ ایک طرف جائے ۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہودی ووٹ کلنٹن کی طرف جارہا ہے مسلمان حیران ہوئے کہ کیا وہ باب ڈول کی طرف چلے جائیں؟ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے چنانچہ آدھے ووٹ ڈیموکریٹک کی طرف گئے اور آدھے ریپبلکن کی طرف۔ مسلمان اپنی آراء کے سلسلہ میں منقسم ہیں وہ کسی ایک طرف نہیں ہیں۔ یروشلم کے مسئلہ کو تمام مسلمان اپنا مسئلہ سمجھتے ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو۔ لیکن مثلاً اگر آپ کشمیر کی بات کریں تو صرف پاکستانی اور بھارتی مسلمان اس کو اہمیت دیں گے۔ اگر فلپائن کے مورو انقلاب کی بات ہوتو ہر مسلمان اس کی زبانی کلامی حمایت کرنے پر اکتفا کرے گا۔ ہاں بوسنیا کے مسلمانوں کی حمایت میں سب نے مل کر ایک ریلی کی تھی۔

امریکہ کے مسلمان فارن پالیسی کے مسائل پر تو بہت بات کرتے ہیں لیکن امریکہ کے مقامی مسائل پر بات نہیں کرتے۔ وہ ابھی اتنے منظم نہیں ہوئے کہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر سکیں۔ عوامی نمائندگی کی دوڑ میں شریک ہونے والے افراد ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ انہیں مسلمانوں سے وابستہ سمجھا جائے۔

ایسے بہت سے مسائل ہیں جس میں مسلمان دوسرے گروپوں کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں مثال کے طور پر اسقاط حمل کے مسئلہ پر امریکن مسلم کونسل واشنگٹن اور کیتھولک بشپ آف میری لینڈ نے مشترکہ موقف پیش کیا۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو جب بھی امریکی معاشرے میں مشکل صورت حال کا سامنا ہوتا ہے تو مذہب کی طرف ان کا رجوع بڑھ جاتا ہے-- سلمان رشدی کا واقعہ ہوا تو مسلمانوں کو یہ احساس ہوا کہ آئندہ ہماری اولاد بھی اس طرح کے اسلام دشمن خیالات نہ پیش کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے رشدی سے بیزاری کا اظہار کیا اور بچوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کی طرف زیادہ توجہ دی۔ شکاگو میں دو یا تین مساجد تھیں لیکن پھر مذہبی تعلیم کے ہفتہ وار اسکولوں میں ترقی ہوئی حتیٰ کہ ایسے ۶۰ اسکول بھی ترقی کرکے مساجد میں تبدیل ہوگئے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم دھماکہ کے بعد مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرایا جانے لگا' عملی نتیجہ یہ ہوا کہ مساجد میں حاضری بڑھ گئی۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے سے گریز کی پالیسی اختیار کرلی۔

مسلم کمیونٹی پر میں نے بیس برس سے زیادہ عرصہ تک تحقیق کا کام کیا ہے۔ میں انہیں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میری دیانت دارانہ رائے ہے کہ مسلمان یہاں پر جتنی زیادہ ذہنی آسودگی محسوس کریں گے اتنی زیادہ تیزی کے ساتھ وہ اس معاشرہ میں گھل مل سکیں گے۔ وہ اس ملک کا حصہ بننے کے خواہش مند ہیں۔ وہ چاہتے ہی کہ ان کے بچے بھی یہیں رہ سکیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انصاف اور امن کے حصول کے لیے اسلام کو بھی ایک مثبت قوت تسلیم کیا جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے خلاف تعصبات نہ پھیلائے جائیں۔

امریکہ کے بعض گوشوں میں "اسلام فوبیا" ایک سنگین مسئلہ ہے۔ ایک رہنما نے مجھے کہا کہ "امریکہ کے اندر ہمارا سب سے بڑا دشمن ہمارا رواداری کا رویہ ہے" دراصل سوویت یونین کے زوال کے بعد کچھ لوگوں کو ایک نئے دشمن کی تلاش ہے۔!

اگرچہ امریکی صدر کا مسلمانوں کے لیے مذہبی تہوار پر تہنیتی پیغام دینا یا انہیں اپنے ہاں موعو کرنا علامتی اقدامات ہیں جن سے مسلمانوں کو اپنائیت کا احساس دلانا مقصود ہے' ہمیں اس سے آگے بڑھ کر خود یہ شعور اجاگر کرنا چاہیے کہ اسلام بھی عیسائیت کی طرح ایک امریکی مذہب ہے۔ خود امریکہ کی مساجد پر بھی امریکی اثرات نمایاں ہیں۔ مثلاً" امریکہ کی مساجد میں خواتین کے لیے الگ حصہ ہوتا ہے اور وہ مسجد میں شرکت کرتی ہیں۔ مسلمان ملکوں میں عموماً" ایسا نہیں ہوتا۔ نیویارک کی ایک مسجد میں ایک خاتون کو صدر بنایا گیا ہے۔ کہیں اور ایسا ہونے کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ یہ خاتون ایک پاکستانی ڈاکٹر ہے۔

ایک مفہوم میں مسجد کوئی بیرونی کاشتہ پودا نہیں ہے' جو بیرون ملک سے لاکر یہاں لگا دیا گیا

ہو۔ یہ امریکہ کے اندر ہی سے ابھرنے والا ایک مذہبی تجربہ ہے۔ "مسجد تحریک" ایک عالمی رجحان ہے۔ میرا گمان ہے کہ مستقبل میں مسلم کمیونٹی یہاں اپنے لیے آسانیاں پائے گی۔ وہ سیکھ رہے ہیں کہ سسٹم کے اندر رہتے ہوئے کس طرح آگے بڑھا جاتا ہے۔ ان کی اولاد "امریکی" ہے۔ نئی نسل یہ جانتی ہے کہ اگرچہ وہ پاکستانی، لبنانی، شامی یا فلسطینی ہیں لیکن ساتھ ہی وہ امریکی بھی ہیں اور وہ پاکستان کے مقابلے میں امریکی سسٹم میں بہتر طور پر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے کبھی پاکستان دیکھا بھی نہیں ہے انہوں نے اپنے والدین سے صرف اس کا ذکر سنا ہے۔ یہ نئی نسل ہی امریکہ میں اسلام کے پھیلاؤ کا رخ متعین کرے گی۔